مثنوی سحر البیان کا فنی جائزہ

سب سے پہلے ہم مثنوی سحر البیان کے شاعر میر حسن کے حالات زندگی پر مختصر روشنی ڈالتے ہیں، تا کہ اس مثنوی کے عہد اور وقت کو سمجھنے اور اس کی تفہیم میں آسانی ہو۔ میر حسن کا اصل نام غلام حسن تھا، ان کی ولادت دلی میں ہوئی۔ ان کے سن ولات کے بارے میں کوئی حتمی تاریخ نہیں ملتی۔ قاضی عبدالودود نے اپنے قیاس کے مطابق ۳۸-۱۷۳۷ء لکھا ہے۔ جب دلی کے حالات بگڑے تو وہ اپنے والد کے ہمراہ اودھ چلے آئے، لکھنؤ ہوتے ہوئے فیض آباد پہنچے اور نواب آصف الدولہ کے ماموں سالار جنگ کی سرکار سے وابستہ ہو گئے۔ میر حسن نے غزلیں بھی لکھیں اور غزل میں دیوان کے علاوہ بارہ مثنویاں بھی لکھیں، مگر ان کی مثنویوں میں جو شہرت اور ادبی مقام و مرتبہ مثنوی سحر البیان کو ملا وہ ان کی کسی اور مثنوی کو نصیب نہ ہو سکا۔ آج تک اس مثنوی کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی ہے۔

مثنوی سحر البیان کو اردو مثنویوں میں بہت ہی معتبر مقام حاصل ہے۔ جب بھی مثنویوں کا ذکر چھڑے گا اور اس کی تاریخ مرتب کی جائے گی، میر حسن کی اس شاہکار مثنوی کا ذکر لازمی طور پر آئے گا۔ یہ ہر زمانے میں عوام و خواص میں بہت مقبول اور دل چسپ رہی ہے۔ اس مثنوی کی ابتدا اور انتہا اتنی مربوط اور دل چسپ ہے کہ سامع اور قاری جب تک اس کو اختتام تک نہ پہنچا لے، اس کو چین نہیں آتا۔ یہ مثنوی تمام فنی محاسن پر پوری اتری ہے، اس میں مثنوی میں کل بائیس سو (۲۲۰۰) اشعار ہیں۔ اس مثنوی کی تمہید، کردار نگاری، جذبات نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری اور سراپا نگاری میں کمال کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

ہر قصہ میں کوئی نہ کوئی پلاٹ ہوتا ہے، اس قصہ کا بھی ایک پلاٹ ہے۔ کہانی میں کوئی نیا پن تو نہیں ہے، وہی بادشاہ اور دربار کا اور حسن و عشق سے معمور روایتی قصہ ہے، مگر اس کا بیانیہ بہت دل چسپ ہے۔ قصہ یوں ہے کہ ایک ملک میں بہت ہی انصاف پسند اور ہر دل عزیز عادل بادشاہ تھا، اس کے پاس دنیا جہان کی ہر آسائش میسر تھی، دولت کی کمی نہ تھی، مگر وہ اولاد کی نعمت سے محروم تھا۔ بادشاہ کو مایوسیوں نے گھیر لیا تھا، چناں چہ وہ سب کو تیاگ کر دینا چاہتا ہے، مگر وزیر کے سمجھانے پر وہ اپنے اس ارادے سے باز آجاتا ہے۔ اسی دوران شاہی نجومی بادشاہ کو یہ خوش خبری سناتا ہے کہ اس کے گھر میں ایک ماہ رو پیدا ہوگا، مگر اس کی پیدائش پر خطرہ ہے، اس لیے اس کو ۱۲ سال کی عمر تک محل سے باہر قدم نہ رکھنے دیا جائے اور اس کو کھلے آسمان کے نیچے سونے نہ دیا جائے۔ چناں چہ نجومی کی پیش گوئی کے مطابق بادشاہ کے محل میں ایک خوب صورت بچے کی ولادت ہوتی ہے، جس کا نام اس کے حسن و جمال کے پیش نظر بے نظیر رکھا جاتا ہے، ۱۲ سال تک شاہ زادے کی بہت لاڈ پیار اور ناز و نعم کے ساتھ پرورش کی جاتی ہے، مگر جب ۱۲ ویں سال کا آخری دن ہوتا ہے، شہزادہ ضد کر کے چھت پر سو جاتا ہے، جب رات کو ماہ رخ پری کا ادھر سے گزر ہوا تو وہ اس کے جمال پر فریفتہ ہو گئی اور وہ اس کو اپنے ساتھ پرستان لے گئی۔ شہزادے کی گمشدگی کی خبر پورے محل میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی ہے۔ اور ایک قیامت بپا ہو جاتی ہے، بہت تلاش کی گئی مگر شہزادہ کا اتہ پتہ نہ چلا۔ پرستان میں شہزادہ بھی بہت پریشان رہتا ہے، پری اس کو ہزار حیلے اور ناز و ادا سے اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے، مگر شہزادہ کم عمری کی وجہ سے بہت مایوس اور اداس رہا کرتا ہے، پری اس کو سیر پاٹے کے لیے ایک کل کا گھوڑا دیتی ہے، اسی گھوڑے پر سوار ہو کر ایک دن شہزادہ بدر منیر شہزادی کے باغ میں اترتا ہے، پھر دونوں ایک دوسرے پر عاشق ہو جاتے ہیں۔ اس کی اطلاع ماہ رخ پری کو ہو جاتی ہے تو وہ چراغ پا ہو جاتی ہے اور شہزادے کو کوہ قاف (اندھا کنواں) میں قید کر دیتی ہے۔ ادھر بدر منیر کا بھی حال برا ہو جاتا ہے، مگر اس کی وزیر اور سہیلی نجم النساء بے نظیر کو تلاش کر کے کسی طرح اس کو جنوں کے بادشاہ کے بیٹے فیروز شاہ کی مدد سے شہزادے کو کوہ قاف سے رہا کراتی ہے اور پھر بے نظیر اور بدر

منیر کی شادی ہوجاتی ہے۔اوراس طرح اس مثنوی کا انجام طربیہ ہوتا ہے۔مثنوی سحرالبیان کے پلاٹ اور دوسری فنی لوازم کا جائزہ لیتے ہوئے وحید قریشی لکھتے ہیں:

''فنی لحاظ سے سحرالبیان کا جائزہ لیا جائے تو اس ضمن میں میرحسن کی ذہانت، پلاٹ کی تشکیل میں بروئے کار نظر آتی ہے۔سحرالبیان اردو کی چند عظیم مثنویوں میں سے ہے۔اس میں اگرچہ محدود زندگی کی تصویر کشی کی گئی ہے لیکن اپنی محدودیت کے باوجود میرحسن نے جس زندگی کو پیش کیا ہے وہ ہمارے لئے دل چسپی کا وافر سامان مہیا کرتی ہے۔''

اس مثنوی میں لکھنوی طرز معاشرت اور وہاں کی تہذیب وثقافت کا بھی بہترین نقشہ بھی کھینچا گیا ہے۔اٹھارہویں صدی کے اواخر میں اودھ کی تہذیب ومعاشرت کی جھلکیاں مکمل طور پر مثنوی میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔شاہی محلات، دربار، امیر ورئیس کے خانگی احوال، تقریبات ورسومیات اور دیگر تقاریب اور عادات واطوار کو جاننے کے لیے اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہوسکتی۔

یہ ایک عشقیہ مثنوی ہے، جس میں بے نظیر اور بدر منیر کے حسن وعشق کے واقعات کو پرلطف انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

میرحسن کو کردار نگاری میں ید طولی حاصل ہے، چناں انھوں نے اس مثنوی میں بھی اس صلاحیت کا مظاہرہ کیا ہے۔اس مثنوی میں بہت سے کردار ہیں، مگر بنیادی اور اہم کرداروں کی پیش کش بہت تعریف کے قابل ہے۔

منظر نگاری اور جذبات نگاری کے بھی بہترین نمونے اس مثنوی میں ملتے ہیں۔

دیگر مثنویوں کی طرح اس مثنوی میں مافوق فطری عناصر کی بھرمار ہے۔لیکن انسانی زندگی سے متعلق معاملات فطری ہیں۔

ابتدائی اشعار کا مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ اس مثنوی کی زبان کتنی تخلیقیت اور سادگی سے پر ہے۔مثنوی سحرالبیان کی زبان بہت ہی سادہ اور شگفتہ ہے، اس پر دلی کی صفائی وسادگی کا اثر ہے۔اور یہی اس مثنوی کا امتیاز بھی ہے۔

کسی شہر میں تھا کوئی بادشاہ
کہ تھا وہ شہنشاہ گیتی پناہ
بہت حشمت و جاہ و مال و منال
بہت فوج سے اپنی فرخندہ حال
کئی بادشہ اس کو دیتے تھے باج
خطا اور ختن سے وہ لیتا خراج
کسی طرف سے وہ نہ رکھتا تھا غم
مگر ایک اولاد کا تھا الم
وزیروں کو اک روز اس نے بلا
جو کچھ دل کا احوال تھا، سو کہا

اسی لیے محمد حسین آزاد نے مثنوی سحرالبیان کے بارے میں لکھا ہے کہ ''کیا اسے سو برس آگے والوں کی باتیں سنائی دیتی تھیں کہ جو کچھ اس وقت کہا، صاف وہی محاورہ اور گفتگو ہے جو آج ہم بول رہے ہیں۔''

اس مثنوی میں بہت سی اصطلاحات، تشبیہات، استعارات بھی ہیں، جن سے میرحسن کی قوت مشاہدہ اور وسعت مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔خود اس مثنوی میں میرحسن نے اپنی تعلّی کا اظہار کیا ہے، جو بجا ہے

ذرا منصفو داد کی ہے یہ جا
کہ دریا سخن کا دیا ہے بہا

زبس عمر کی اس کہانی میں صرف
تب ایسے یہ نکلے ہیں موتی سے حرف
نہیں مثنوی، ہے یہ اک پھل جھڑی
مسلسل ہے موتی کی گویا لڑی
نئی طرز ہے اور نئی ہے زباں
نہیں مثنوی، ہے یہ سحر البیاں
رہے گا جہاں میں مرا اس سے نام
کہ ہے یادگار جہاں یہ کلام

میر حسن کی عمر زیادہ نہیں رہی، لیکن کم عمری میں بھی اس مثنوی کی وجہ سے جو شہرت، عزت اور مقبولیت ان کے حصے میں آئی ہے وہ کسی اور اردو کے مثنوی نگار کے حصے میں نہیں آئی۔

DR ABRAR AHMAD
URDU DEPARTMENT
BM COLLEGE RAHIKA
MADHUBANI